منشا محسن علی

آگ

باب اول

''شہر خیال''

شہر خیال کی کھڑکیوں سے سر کو آدھا باہر نکال کر
کچھ حقیقتیں باہر کی کھوج کے لیے سرگرداں سی نظر آتی
ہیں مگر پھر پنجاب یونیورسٹی کے زرعی رقبے میں اگی
دھان کی فصل کو آدھی رات سے پورے چاند کی روشنی
نے جلا کر خاکستر کر کے رکھ دیا تھا.....!

پریتم ایسی پریت نہ کریو
جیسی کرے کھجور
دھوپ لگے سایہ نہ ہی

www.zemtime.com

بھوک لگے پھل دور
پریت کبیرا! ایسی کریو
جیسی کرے کپاس
جیو تو تن کو ڈھانکے
مرو تو، نہ چھوڑے ساتھ
پریت نہ کریو پنچھی جیسی
جل سوکھے اڑ جائے
پریت تو کریو مچھلی جیسی
جل سوکھے مر جائے

پچھلی راتوں کو جب تھل کی ریت سردیوں میں ٹھنڈی ہو کر سو جاتی ہے وہ ننگے پاؤں ٹیلے کی چوٹیوں پر کھڑی ہو کر دور دور تک دیکھتی رہتی ہے کہ وہ اس حالت سے باہر نکلے کہ زندگی ابھی بھی پوری ہے۔

بہت کچھ مکمل ہونے والا رہتا ہے کہ اس کی کہیں نہ کہیں ضرورت سی باقی ہے۔ وہ دم سادھے سارے منظر نامے کو دیکھتی رہی تھی۔ بغیر پلک جھپکے، جیسے کسی مورت میں ڈھل گئی ہو۔

اماں اور بختاور کو رہ رہ کر ہول اٹھ رہے تھے کہ ان چند دنوں میں وہ کیسی پرائی ہو کر آئی تھی جیسے کوئی خانہ بدوش قبیلے کی البیلی نار ہو۔ جس کی آنکھوں میں تھل کے چٹیل میدانوں جیسا خالی پن اور سراب ہوتا تھا کہ آنکھیں پوہ کے موسم میں بھی ساون بھادوں ہو جایا کرتی تھیں جیسے کنیز فاطمہ ہو گئی تھی۔ جو کنیز فاطمہ ہونے کے علاوہ سب کچھ لگ رہی تھی، خانہ بدوش قبیلے کی نار، ڈار سے بچھڑی کونج۔

پوہ کی سرد ترین رات میں جب چاند بادلوں کی

www.zemtime.com

اوٹ سے لک چھپ کھیلتا ہوا ریت کے ٹیلوں پر ٹہلتا ہوا نظر آتا تھا تو وہ لک چھپ کر اسے دیکھا کرتا تھا۔

کنیز فاطمہ کو جس کی ذہانت اور وقار کے پورے تھل میں چرچے تھے کہ وہ پہلی لڑکی تھی جو اتنے بڑے شہر سے پڑھ لکھ کر آئی تھی جس کی موجودگی میں تھل کے سارے تہوار اور خوشی غمی ہوتی تھی کہ وہ ہوگی تو رونق بڑھے گی، وہ مہمان خصوصی کی حیثیت رکھنے لگی تھی۔ ڈھولک کی تھاپ پر وہ بیچوں بیچ بیٹھی رونق محفل ہوا کرتی تھی۔ چائے کی پہلی پیالی اسی کو پیش کی جاتی تھی، بتاشے بھی، کھجوریں بھی۔ بختاور اس کی بلائیں لیتے ہوئے نہیں تھکتی تھی۔

''دیکھا کنیز، تم کتنی ضروری اور لازمی ہو سب کے لیے۔''

وہ زہر خندی ہنسی ہنستی تھی جو بختاور کو ہولا کر رکھ دیتی تھی کہ یہ زہر، یہ جلن، یہ انداز کہاں سے آیا تھا؟ کیونکر؟ کیسے؟ بختاور نے اسے کتراتے دیکھا جیسے وہ تھل واسیوں سے تھک سی گئی ہو، گھن کھاتی ہو کہ وہ اس کے معیار برابر نہیں آتے ہوں۔

شمو، فضا اور زرقہ بختاور سے کرید کر پوچھتی تھیں۔

''کنیز فاطمہ پرائی ہوئی پھرتی ہے، کیا ہم اس سے نہ ملا کریں؟ ہمیں یوں دیکھتی ہے جیسے ہم کوئی اچھوت ہوں، شہر کی ہوا اتنی ظالم ہوتی ہے بختاور کہ سب ختم کر دے، بچپن کا ساتھ، سہیلی۔ اللہ کرے شہر کو جانے والے سارے گھوڑوں کے سم ٹوٹ جائیں۔''

گھوڑوں کے سم سلامت رہے۔ بس کنیز فاطمہ ٹوٹ گئی تھی۔ سب سمجھتے تھے کہ وہ جڑ کر آئی ہے مگر یہ راز اس کو پتا تھا کہ سب پیوند ہیں جو ذات اور روح کو لگے ہیں کوئی آنکھ رکھتا ہو تو دیکھے کہ اس کی ذات کا ریشم تو کب کا ادھڑ چکا ہے جواب رفو ہونے جوگا بھی نہیں رہا۔

پوہ کی ٹھٹھرتی ہوئی رات تھی۔ دور بھیڑوں کے باڑے سے ٹیلوں کی آوازیں گونجتی تھیں کھگل درویش درختوں پر کوئی رات کے پکھی کبھی کبھی بول پڑتے تھے اور وہ چونک پڑتی تھی کہ یہ آواز سا سے آتی ہے کہ سوز بھی ہے اور ساز بھی۔ مگر تار سلامت نہیں ہیں۔

کیلکولیٹر کھولے وہ ہندسوں کے حساب کتاب میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ حساب کتاب میں کبھی بھی کچی نہیں رہی تھی مگر اب کی بار دل میں چور آ رہا تھا، کھوٹ رستہ دیکھ رہا تھا کہ گھس کر بیٹھ جائے۔ وہ جھٹک رہی تھی بار بار.....

''چار لاکھ سینتیس .....'' کیلکولیٹر پر ابھرتے ہندسوں نے اس کے وجود کے ٹکڑوں کی شکل اختیار کر لی تھی، وہ رقم بہت زیادہ تھی وہ صرف رقم نہیں تھی۔ موسم کی سردی گرمی، پوہ، ہاڑ کے جگراتے، پسینے میں محبت کی بو، گئی خوابوں کی کرچیاں..... رقم چکا سکتے ہیں ہیرے جیسے بغیر کسی کھوٹ کے جذبوں کو کیسے چکایا جائے؟

ہر فارمولا، کلیہ فیل ہو رہا تھا وہ شبہے کا شکار تھی کہ وہ پنجاب یونیورسٹی کیمسٹری ڈپارٹمنٹ کی ہونہار اپنے استادوں کی لاڈلی طالبہ رہی ہے، یہ کوئی نائٹروجن کا فارمولا نہیں تھا کہ وہ سیدھا سیدھا حل کر کے رکھ دے۔ اور اماں، ابا، بختاور کی سامنے رکھ دے کہ.....

''یہ دیکھیں اماں، ابا، بختاور۔ میں نے آپ سب لوگوں کا سارا قرض برابر کر دیا ہے، یہ ایک سال کے پیسے، یہ دو سالوں کے پیسے، یہ چار سالوں کے اور یہ یہ.....''

رقم پوری ہو جاتی۔ فارمولا صحیح ہو جاتا مگر جو جواب آنا تھا اسے دنیا کی ہر عدالت رد کر کے رکھ دیتی، وہ کنیز فاطمہ کے دل کا چور تھا، کھوٹ تھا ورنہ ساری دنیا اندھی، بہری، گونگی ہرگز نہیں تھی۔ یہیں آ کر مات ہو جاتی تھی، تبھی وہ پچھلے بیس دنوں سے کیلکولیٹر لے کر بیٹھ جاتی تھی مگر حساب ہر بار بگڑ جاتا تھا، ہندسے برابر درست ہوتے تھے۔

ہاڑ کی چلچلاتی ہوئی ماس کو ساڑتی ہوئی دھوپ آ جاتی۔

www.zemtime.com

آس پاس پوہ کی کہر آلود ٹھٹھرتی ہوئی راتیں سر پر آن ٹھہرتیں۔ کبھی بختاور کی پیوند لگی اوڑھنیاں، اماں کی لیلن کی کٹی پھٹی چپلیں۔ ابا کی چار سالوں میں کبھی نہ بدلنے والی وہ پگڑی جس کا سفید رنگ اب خاکی رنگ میں بدل چکا تھا۔ بھیڑوں کا وہ ریوڑ اب طاق کی تعداد میں آ چکا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی اس رات کو وہ تھل کے اونچے ریت کے ٹیلے پر ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی، دور کہیں سے مستنصر حسین تارڑ کا ٹلہ جوگیاں زندہ ہو جایا کرتا تھا۔ پھر کنیز فاطمہ کسی جوگی کا روپ ڈھال لیتی تھی کہ وہ بس مسافرہ ہے، سفر کرتی رہے گی مگر پھر وہی حساب کا پھیر، وہ دنیادار تھی اور دنیادار کہاں مسافر ہوتے ہیں کہ جوگ لیں اور جوگی کہلوائے جائیں! دور دور تک چاند کی روشنی میں ٹھنڈی ریت پھیلی ہوئی تھی اور کھگل درویش درخت اس کے سامنے چلتے ہوئے آ رہے ہیں جیسے ابھی دبوچ لیں گے۔ وہ اگلا سانس لینا بھول جائے گی مگر.....

اماں کی آواز دور کہیں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''کنیز! رات ڈھل چکی ہے کب تک ٹہلتی رہے گی، جانے شہر والوں نے بھی تمہیں کیسی کیسی لت لگا دی ہے، اندر آ جا میری دھی۔''

وہ اندر آگ والے کوٹھے میں آ گئی تھی اور نظر چولہے میں پڑی کیتلی پر پڑی تھی جس میں دودھ ابل رہا تھا اور کیتلی کا ڈھکن بھاپ کے زور سے بختاور کے پیروں پر جا لگا تھا اور وہ درد سے بے حال پیچھے مڑی تھی۔ اماں صدقے پڑھتی چھالے پر مرہم لگانے لگی تھیں اور کنیز فاطمہ بس دیکھے گئی۔ بختاور کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ کنیز کا دل چاہا آگے بڑھ کر اس کے پیروں کو گود میں رکھ لے۔

خود پھونک مار مار کر جلن کم کرنے کی کوشش کرے اور بعد میں مرہم لیپ دے مگر کچھ تھا جو درمیان میں آ گیا تھا آنسو اندر کہیں جمع ہونے لگے تھے۔

''بختاور! تم ٹھیک ہو ناں؟''

سی سی کرتی بختاور نے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی ہلکی سی کوشش کی تھی۔

کنیز فاطمہ کا ظرف رائی کے دانے جتنا بھی نہیں رہا تھا۔ وہ چار سالوں والی تھل واسی نہیں رہی تھی، وہ بدل گئی تھی بہت..... یہ بات سب سے پہلے بختاور کے علم میں آئی تھی۔

''کنیز تم ٹھیک ہو ناں؟''

''ہاں۔''

''اتنی چپ چپ کیوں ہو؟''

''بس وہ آگے کی فکر ہے مجھے۔'' وہ جانے کسے مطمئن کرنے کے جتن کر رہی تھی کہ اعتبار آ جائے۔

''اے لو! ابا نے کون سا تم سے نوکری کروانی ہے بھلا۔ آگے سکندر بھائی بھی ماشاءاللہ اتنے سوکھے گھر کے ہیں بیوی کو عیش میں رکھیں گے۔'' آخر میں بختاور نے ہنس کر اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی اور اگلی کی آنکھیں سپاٹ سی ہو گئی تھیں۔

''پتا ہے، اس بار سکندر بھائی نے مکئی کی فصل بوئی ہے۔''

کاش بختاور کو پتا ہوتا کہ وہ مکئی کی فصل ہی تو کنیز فاطمہ کے دل کا کھوٹ تھا جو ترازو میں ہمیشہ اسے ہلکا کر کے رکھ دیتا تھا۔

''کیا مطلب، مکئی کی فصل..... مگر کیوں؟''

بختاور نے کنیز کے چہرے کے ہزاروں رنگ دیکھے۔

''تم تو یوں حیران ہو رہی ہو جیسے کہ انہوں نے کوئی بہت بڑا گناہ کر دیا ہو۔'' بختاور کو ہنسی کا دورہ پڑا تھا اور وہ قل قل کرتی ہنستی گئی۔ یہ پڑھے لکھے لوگ بھی آدھے بے وقوف اور آدھے پاگل ضرور ہوتے ہیں۔ بھلا مکئی کی فصل سے کیا ہوتا ہے؟

''گناہ میں نے کیا ہے بختاور۔'' یہی وہ پوہ کا موسم تھا جب ساون برس برس جاتا تھا اور سارے بند لاحاصل..... بے فائدہ۔

www.zemtime.com

"میں سمجھی نہیں۔"

"تم نہیں سمجھو گی بختاور۔ اسے کہو مکئی کی فصل پر ہل چلا کر کچھ اور اگا لے، اسے مکئی کی فصل کبھی راس نہیں آئے گی۔"

کنیز فاطمہ کے آس پاس مکئی کے سٹے پھٹنے لگے تھے۔ تھل واسیوں کے ریت کے ٹیلوں نے لاہور کے شیشوں میں بند امپوریم مال کے ایک پاپ کورن کاؤنٹر کی شکل اختیار کر لی تھی۔ مکئی کے دانے ہلکی اور تیز آواز میں اردگرد پھٹنے لگے۔ نمکین، میٹھے اور چاکلیٹ کی اشتہا انگیز خوشبو جس نے کنیز فاطمہ کو پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس خوبرو نیلی آنکھوں والے شخص سے خود کو لڑتا جھگڑتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے تم، اتنے مہنگے مکئی کے دانے کون بیچتا ہے؟"

"میں بیچتا ہوں۔" کندھے اچکا دیے گئے تھے۔

"بہت مہنگے ہیں۔"

"تو تم مت کھاؤ۔"

"ہمارے گاؤں میں اپنے مکئی کے کھیت ہیں سمجھے۔" وہ اسے لتاڑ رہی تھی۔

"تو تم بھی مکئی کے پاپ کورن بیچا کرو، یہاں کیا کر رہی ہو؟"

کنیز فاطمہ نے اس جیسا بدتمیز انسان زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دونوں بحث میں الجھے رہے۔ ایک منٹ، پانچ منٹ، دس منٹ اور تیرہویں منٹ میں وہ میٹھے پاپ کورن کی کون تھامے شیشوں میں بند اس عمارت میں گھوم رہی تھی مگر وہ نیلی آنکھیں کنیز فاطمہ کا پیچھا کرتی رہی تھیں۔

وہ دونوں اس بات سے بخوبی واقف تھے۔

اور تیسری شخصیت تھی تمکین جمال..... جس نے لمحوں کی واردات کا شکار ہونے والی تھل واسی کنیز فاطمہ اور پاپ کورن بیچتے نیلی آنکھوں والے شخص کا راز پالیا تھا۔

☆☆☆

تمکین جمال کو کمروں میں موجود کھڑکیوں کے ہونے سے وحشت ہوئی تھی۔ بس ایک ہی خطا ہوئی تھی کہ اس نے کھڑکی کھول لی تھی سوچا تھا تازہ ہوا سے سب معطر ہو جائے گا مگر دم گھٹنے لگ گیا تھا۔

وہ سامنے کا منظر، وہ گودام کے سامنے ٹرالیوں میں بھری بوریوں کے پھٹے ہوئے کونوں سے گرتے بادیان کے پھول، لونگ کی تلخ خوشبو، الائچی کی مہک نے اسے دیوانہ کر دیا تھا۔

زندگی میں تمکین جمال کو اگر کسی چیز سے نفرت اور وحشت تھی تو وہ یہی چیزیں تھیں۔ بادیان کے پھول، الائچی، لونگ اور جائفل.....!

یہی زندگی کی ریت ہے وہیں لا کر پٹخ جاتی ہے جہاں سے انسان نے کنارہ کرنا ہوتا ہے۔ کھڑکی کھلنے کے بعد سامنے کا منظر ہنس رہا تھا۔ گھر کے عقبی طرف ہی تو گودام تھا جہاں سامان اترتا تھا اور ارسلان مکرم وہ سامان اپنی نگرانی میں اندر گودام میں رکھوا رہا تھا۔ وہ دلنشیں مرد اس کا شوہر تھا کہ وہ اس کی شریک حیات تھی۔ مگر وہ یہیں آ کر مات کھا گئی تھی کہ وہ اس کاروبار سے وابستہ تھا جس سے وہ.....

اسے اپنی تین دن پہلے کی کیفیت یاد آئی تھی کہ جب اس نے اس گول برآمدوں والے قدیم گھر میں قدم رکھا تھا کہ کہیں یہاں بھی وہ بو اس کا پیچھا کرتے ہوئے نہ چلی آئے۔ وہ دلہن بنی وسوسوں میں گھری ہوئی تھی کہ عطر کی ساری بوتل اس نے خود پر الٹ لی تھی کہ کہیں سارے منظر نامے میں لونگ اور بادیان کی مہک نہ پھیل جائے۔ وہ صدر دروازہ پار کر کے جب گول برآمدے میں کرسی پر بٹھا دی گئی تھی تو عورتیں، بچے، بزرگ سب نئی نویلی دلہن کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"ارے، دلہن تو چاند کا ٹکڑا نہیں پورا چاند ہی ہے۔" بلائیں لی جانے لگی تھیں۔

"چشم بددور، نسیم بہت خوش قسمت ہے کہ اتنی اچھی اور چاند جیسی بہو ملی ہے، سنا ہے بے چاری کو

www.zemtime.com

ماں کے بعد باپ نے پالا ہے اور سولہ جماعتیں بھی پاس کروائی ہیں۔ لاہور سے پڑھ کر آئی ہے۔"

وہ چپ چاپ بیٹھی اپنی لمبی ہیل کی نوک کو دیکھتی رہی تھی، ہیل کی نوک نے سارا بوجھ اٹھایا تھا پیروں میں بھاری پن اترنے لگا تھا۔

چیچہ وطنی کی فضا میں جیسے تازگی بھر آئی تھی کہ وہ گھر سے دور آ گئی تھی جہاں اس نے زندگی کے پچیس سال گزارے تھے یہ گول برآمدوں، طویل راہداریوں اور اونچی نیچی چھتوں والا قدیم گھر ہی اب اس کی ملکیت تھا جہاں باقی کی زندگی گزارنی تھی۔ وہیں کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھے رکھے وہ اپنے ہونے کو سوچتی رہی۔

"ہم لڑکیوں کی زندگی بھی خالق نے کیسی عجیب رکھی ہے کہ ہمارا بیج کسی اور گھر کی مٹی میں اگتا ہے اور ہماری اٹھان، تنا شاخیں کسی اور گھر کی زمین میں پرورش پاتی ہیں۔"

برآمدے میں لوگوں کا رش بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نند نگہت نے اپنی اتنی خوب صورت اور پڑھی لکھی بھابھی کی وجہ سے فخر سے اپنی گردن اونچی کی ہوئی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اس کے کانوں میں کھسر پھسر کرتی اور کبھی اس کی بندیا ٹیکا ٹھیک کرنے لگ جاتی تھی۔

"بھابھی! گھبراہٹ تو نہیں ہو رہی؟"

"پلیز! ذرا رش کم کروا دو۔"

"ارے ہٹو..... ہٹو رستہ صاف کرو ذرا کوئی تازہ ہوا ہی آنے دو۔ ہماری دلہن بے ہوش کر کے رہو گے تم سب۔"

وہ ہولے سے ہنس دی تھی۔ چوری سے، جیسے محظوظ ہو رہی ہو۔ اور تبھی کوئی بڑی بوڑھی پاس آ کر دلہن کو پیار دینے لگی تھی۔

"ارے، اتنی تیز خوشبو کہاں سے آ رہی ہے کہ سر میں درد ہونے لگا ہے۔" تمکین کا دل دھڑکا اور رنگ سفید ہوا تھا۔ وہی تو عطر کی شیشی ساری کی ساری خود پر الٹ کر آئی تھی کہ بھید نہ کھلے، سب چھپا رہے مگر.....!

نگہت نے گہری گہری سانسیں لی تھیں۔

"ارے، نانی سچ کہتی ہیں، لگتا ہے کسی بچے نے خوشبو کی شیشی پھوڑ دی ہے۔" گول برآمدوں میں عطر مہکتا رہا۔ لوگ سر درد کی شکایت کرتے رہے۔

تمکین جمال کرسی کے ہتھے پر ہاتھ جمائے بیٹھی رہی کہ عطر کی شیشیاں کام کر گئی ہیں۔ اب کوئی بھی وہ راز، بھید نہ پکڑ پائے گا۔

وہ جو پچھلے پچیس سالوں سے اک اذیت میں رہی تھی کہ اس گھر کی زمین میں جو اس کا بیج لگا ہوا ہے اسے کچھ مدت درکار ہے پھر اس کے بعد کسی اور گھر کی مٹی میں شاخیں اور پھل نکال لے گی۔

ہر الہڑ دوشیزہ یہی خواب آنکھوں میں بھر کر مدتیں گزار دیتی ہے کہ چلو اب نہیں تو پھر آگے سہی۔ اگلے گھر سہی.....!

جب گول برآمدوں والے گھر کی منڈیروں سے شام جھانکنا شروع ہوئی تو اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جو گلاب، موتیے اور گیندے کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وہ اندر تک کھل کر رہ گئی تھی کہ یہاں کوئی اور مہک اس کا پیچھا نہیں کرے گی۔ سب کچھ تو پیچھے چھوٹ گیا ہے۔

نگہت نے دودھ اور کھانا کمرے میں رکھ دیا تھا۔

"بھیا ابھی آنے والے ہیں آپ دونوں مل کر کھانا کھا لیجیے گا۔ ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔" ہدایات نامے کے بعد وہ ہوا کے جھونکے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

تمکین نے سر اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ بہت کھلا وسیع کمرہ تھا جو سادگی سے آراستہ تھا۔ کمرے کی دیواریں کریم کلر سے رنگی گئی تھیں۔ کچھ کانچ کے گل دان اور چند پینٹنگز بھی آویزاں تھیں جو کہ کمرے کے حسن کو مزید کشش دے رہی تھیں۔ وہ ہولے سے اٹھ کر سنگار میز تک آ گئی تھی۔ وہ شیشے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔

www.zemtime.com

سرخ رنگ کے آتشیں لہنگے میں ملبوس وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ اس کی لمبی مڑی ہوئی پلکوں کی جادوگری آج مکمل عروج پر تھی۔ وہ چند ثانیے اپنے روپ سروپ کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی پھر بے ساختہ ہنس دی تھی، چوری سے۔ اجنبی جگہ تھی، الگ گھر کی مٹی تھی کچھ یاد آ گیا تھا۔

''تمکین جمال! ہم لوگ اپنے چہروں پر چاہے کتنا ہی میک اپ پوت لیں تمہارا مقابلہ کبھی بھی نہیں کر سکتی ہیں کیونکہ صرف تمہاری مڑی ہوئی گھنی پلکوں کا کاجل ہی ہماری ساری تیاری کو زیرو کر دیتا ہے۔''

وہ کنیز فاطمہ کی کہی گئی بات تھی جو اسے اپنی شادی کے دن یاد آئی تھی۔ وہ ایسے ہی تو تمکین جمال فرام چیچہ وطنی کی دیوانی نہیں ہوا پھرتی تھی۔ دوست بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں ناں زندگی کی ہر ساعت ہر لمحے میں سے چوری سے، اس کی مسکراہٹ کی طرح حصہ نکال ہی لیتے ہیں.....!

باہر کھٹکا ہوا تھا تو وہ دوبارہ بیڈ پر سنجیدگی اور گھونگٹ دونوں اوڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قریب آ گیا تھا۔ تمکین کا دل لرز لرز جاتا تھا۔ گھونگٹ کے پار وہ سامنے تھا۔ کشادہ پیشانی پر بکھرے بال، ستواں ناک اور سفید رنگ ..... مونچھوں کا کٹاؤ۔ عجیب سحر انگیز لمحہ تھا جس نے اپنا جوبن طاری کر کے دونوں میاں بیوی کو بے بس کیا تھا۔

ارسلان مکرم نے ان لرزتی ہوئی پلکوں اور کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کو حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ انتہائی حسین تھی دیکھ کر دل ہاتھ سے جاتا ہوا نظر آتا تھا۔

''تم بہت خوب صورت ہو تمکین ارسلان۔''

گھر کی مٹی میں تمکین کے وجود کا درخت لگ گیا تھا۔

''میں نے تصویریں دیکھی تھیں مجھے یقین نہیں آیا تھا مگر تمہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ تصویریں جھوٹ کہتی ہیں۔''

آنکھ کے چھپر سوالیہ نظروں کے ساتھ اٹھے۔

''تم اپنی تصویروں سے بڑھ کر دلنشیں ہو۔''

وہ شرمائی لجائی ہوئی سی بیٹھی رہی تھی۔ دل کی رفتار اور آواز ریل کو بھی مات دے رہی تھی۔ سامنے بیٹھا شخص بھی تو تصویروں سے بڑھ کر متاثر کن تھا۔ دل کے سارے وسوسے اور خوف کہیں اندھے کنویں میں جا گرے۔

''مجھے بہت خوشی ہے کہ تم میری زندگی میں شامل ہوئی ہو۔ ہمارا خاندان کافی بڑا ہے اسی حساب سے ضرورتیں بھی ہیں، ذمہ داریاں بھی ہیں جو تمہیں نبھانی ہوں گی بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ ذمہ داری اور خود میں اگر کبھی چننا پڑے تو خود کو مت چننا۔ تمہیں میں نے چن لیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی بھی میری طرح ذمہ دار ہو۔ مجھے تم پر مکمل یقین ہے۔ تمہاری سمجھ بوجھ کی ویسے بھی مثالیں دی جاتی ہیں سولہ جماعتیں پاس ہو۔ عقل و شعور میں بھی آگے ہو گی۔ میں تو خود کو آنے والے دنوں میں خود کو تم سے مشورے لیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔''

وہ پھر سے ہنسی تھی۔ اختیار کے ساتھ۔

وہ کھانا کھانے لگے اور ساتھ ساتھ ادھر ادھر کی باتیں بھی جاری رہیں اسی عرصے میں تمکین جمال کو لگا جیسے وہ اس گھر، دریچوں سے صدیوں سے واقف ہو۔ نکاح کے رشتے یونہی انسان کے دل اور وسوسوں کو سکون عطا کرتے ہیں۔

''تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ میں تمہیں کیسا لگا؟''

دودھ کا گلاس تھامے ارسلان کو اچانک سوال سوجھا تھا۔

وہ نوالے تھامے جواب سوچتی رہی کہ کیا کہے؟

''میں نے جیسا سوچا تھا ویسے نہیں لگے۔ مگر آپ بہت اچھے ہیں۔''

وہ دودھ کا خالی گلاس لیے بیٹھا رہ گیا تھا دل کیا پوچھ لے کہ اس نے کیا سوچا تھا؟ کیا تصویر بنائی ہو گی؟ مگر وہ رک گیا تھا کچھ لوگوں کی فطرت میں کرید اور تجسس کا عنصر نہیں ہوتا ارسلان مکرم میں بھی نہیں تھا۔

www.zemtime.com

رات قدیم راہداریوں میں ٹہلنے آن نکلی تھی تو وہیں تمکین کا خوف وجود بھی اس گھر کی مٹی میں اگ آیا تھا دور پار سے یوں لگا یہیں آس پاس کہیں بادیان کے پھول اگ آئے ہوں۔ جائفل اور جاوتری نے شاخیں نکال لی ہوں اور اس کی سانسیں الائچی سے بھری ہوئی ہوں۔ وہ خوف زدہ ہوگئی تھی ارسلان باہر کچھ لینے گیا تھا وہ تھرا گئی تھی۔

''آج نہیں، اے کاش اب نہیں۔'' اسے لگا وہ انواع واقسام کے مسالوں کی خوشبو سے لتھڑ گئی ہو۔

وہ واپس آیا تھا تو وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی کپکپاتے ہوئے۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' فکر مندی سے گرم پیشانی پر ٹھنڈے ہاتھ کا لمس آ ٹھہرا تھا۔

''سر درد کر رہا ہے میرا۔'' روشن دان کی اوٹ سے چاند اور تارے دیکھتے رہے، ارسلان مکرم نے اپنی دلہن کے سر کو اپنی گود میں رکھ کر ہولے ہولے دبایا تھا اور پھر سب پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ پرسکون، پرلطف زندگی کی خوب صورتی کا جیسے ہی یقین آنے لگتا ہے کہیں سے، کسی درز سے کوئی بدصورتی جھانکنے لگ جاتی ہے کہ آپ کا سکون اجاڑ کر رکھ دے.....!

اگلے دن ابا اسے گھر لے آئے تھے۔ وہ بھاگ بھاگ کر ابا کو بازار سے چیزوں کا ڈھیر لے کر آتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

''ابا! بس کر دیں اور کتنا کچھ کھلائیں گے؟''

''ارے، تمہیں کیا پتا پہلے کی بات اور تھی اب کی بات اور ہے تمہاری ماں ہوتی تو ساری چیزوں کا خیال رکھتی مگر جتنا میں کر سکتا ہوں اتنا تو مجھے کرنے دو بیٹا!''

پھل، ٹکیاں، مٹھائیاں، خلیفہ کی نان خطائیوں کے ڈبے۔ جو جو چیز اسے ان پچیس سالوں میں پسند رہی تھی اور ابا کو یاد بھی رہی تھی تو وہ ساری چیزیں اس کے سامنے تھیں۔

''تمہارے جانے کے بعد دل بہت اداس رہا تم کو میں نے تمہیں بہت یاد کیا کہ ہم دونوں ہی باپ بیٹی ایک دوسرے کا سہارا تھے۔ مگر پھر یہ سوچ کر دل خوش ہوا کہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوا ہوں۔ تمہاری پرورش سے لے کر تمہاری شادی کے فرض تک میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی میری بچی مگر پھر بھی اگر کوئی بات ہو تو مجھے معاف کر دینا میری بچی۔''

ابا بار بار ہاتھ جوڑ لیتے تھے جو وہ چوم کر آنکھوں سے لگا لیتی تھی۔

''سنو۔ سچ سچ بتانا۔'' وہ انگور توڑ توڑ کر کھا رہی تھی جب ابا نے اچانک اسے مخاطب کیا تھا۔

''تمہارا شوہر تمہارے ساتھ ٹھیک تو ہے ناں؟''

وہ لرزتا ہوا لہجہ، وہ ارتعاش بھری سانس وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں راز پا گئی تھی۔ اماں نہیں تھیں مگر ابا نے سارے فرض پورے کرنے تھے۔ وہ فرائض میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ہاتھوں کو تھامے تسلی کے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی جو کہ مطمئن کر سکیں، جو مرہم ہوں کہ اس بوڑھے شخص کو اعتبار آ جائے جو اپنی ساری زندگی کی جمع پونجی کسی کے حوالے کر چکا ہوا ہے۔

''ابا! میں بہت خوش ہوں اور مطمئن بھی کہ آپ نے جو گھر اور جو آدمی میرے لیے چنا ہے وہ میرے دل کے لیے خوشی کا باعث ہیں آپ کو فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں میں خوش ہوں۔ وہ گول برآمدوں والا طویل گھر مجھے اپنا اپنا لگتا ہے۔ یہاں مجھے اکیلے رہنے کی عادت تھی مگر وہاں کافی لوگ رہتے ہیں تو مجھے شکایت نہیں، انسان رشتوں کے ساتھ ہی ہنستا بستا اچھا لگتا ہے۔''

جمال دین کے دل کو قرار آ گیا تھا اور باقی وسوسے ارسلان مکرم نے ختم کر دیے تھے۔

کھلے باورچی خانے میں وہ اپنے شوہر اور ابا کے لیے چائے پکاتے ہوئے اپنی گزشتہ زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ سب کچھ کتنا تیز رفتار ہے سب کچھ پیچھے چھوٹ جاتا ہے۔ یہی تین کمروں کا چھوٹا سا گھر جس کے آنگن میں وہ بینگن اور گاجروں کی کیاریاں بنایا کرتی تھی اور لکڑی کی سیڑھی پر بیٹھ

www.zemtime.com

کر ریڈیو پاکستان سنتے ہوئے، رسالے پڑھتے ہوئے وقت کو گزارا کرتی تھی۔ تب زندگی کا الگ رنگ تھا اور اب سب کچھ جیسے کسی جادو کی چھڑی سے بدل کر رہ گیا تھا۔

وہ سات سال کی تھی جب اماں کینسر کے موذی مرض سے چل بسیں اور گھر میں پھپھی لوگوں کی عدالتیں لگنا شروع ہوئی تھیں۔

''جمال دین! لڑکی ذات کے سہارے کیسے زندگی گزر سکے گی۔ اب دوسری شادی کرلو۔''

اور ابا کا ان پچیس سالوں میں جواب کبھی بھی مثبت نہیں آیا تھا۔

''نہیں آپا..... تمکین ہی تو میرا سہارا ہے۔''

پھپھی سختی بھری آنکھوں سے اسے دیکھا کرتی تھیں اور وہ سہم جایا کرتی تھی۔

''عمر میں بے شک ہم سے بڑے ہو جمال دین مگر یوں ہٹ اور ضد کی روش چھوڑو، آگے اتنی عمر پڑی ہے آخر کب تک اور کہاں تک گزارو گے بھلا۔ لڑکی ذات پلے میں ہے جو اگلے گھر کی ہو جائے گی پھر سے یہ ویہڑا سنسان اور اکیلا لے کر بیٹھ جاؤ گے، انسان کے ساتھ سو قسم کی بیماریاں اور ضرورتیں ہوتی ہیں۔''

ابا جمال ان پچیس سالوں میں ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔ پھپھی لوگ جھک مار مار کر اپنے کرائے بھر بھر کر سفر کر کے آتیں اور بے مراد لوٹ جاتی تھیں کہ ان کے بھائی کا دماغ چل چلا گیا ہے کیونکہ جیسے ان کے منہ بس ایک ہی جملہ چڑھ گیا تھا۔

''بس آپا کیا کروں دل نہیں مانتا۔''

آخری بار تو تجمہ پھپھی اکلوتے بڑے بھائی کے اس جملے سے سخت کبیدہ خاطر ہوئیں کہ جس موڑھے پر بیٹھی تھیں اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

''دل کی ایسی کی تیسی۔''

کہا تھا ناں وقت کو چابی لگی ہے، رفتار پکڑ لیا کرتا ہے بھاگ جاتا ہے اور انسانوں کو لمحوں کے اشراپ دے جاتا ہے۔ تمکین جمال نے زندگی میں اگر کسی شخص سے محبت کی تھی تو ابا جمال دین سے کی تھی۔

وہ مسالوں کا کاروبار کرتے تھے۔ اس تین کمروں کے گھر سے کبھی بھی لونگ، بادیان، الائچی، اور جاوتری کی خوشبو نہ گئی تھی۔ وہ دونوں باپ بیٹی مل کر مسالے صاف کرتے رہتے اور سل بٹے پر پسائی کرتے رہتے تھے۔ تمکین جمال کا بچپن، لڑکپن انہی مسالوں کو پیستے ہوئے ہی گزرا تھا۔

سہیلیاں بنانے کا فن اتنا آسان نہیں تھا کہ وہ ماہر ہو جاتی اور ڈھیروں سہیلیاں بنا کر کلی، شٹاپو کھیلتی۔ اسے بس ایک ہی کام آتا تھا دروازے میں کھڑے ہو کر ہر آتے جاتے ہوئے کو ٹکٹکی باندھ کر تکے جانا اور بس..... یہی زندگی تھی۔

پھپھی تجمہ موڑھا توڑنے کے بعد کئی ماہ بعد آئیں تو جمال کی منت لجاجت کے بعد تمکین کو قریبی اسکول میں داخل کروا گئی تھیں۔ وہ ابا کے ساتھ اسکول جانے لگی تھی۔ دن کو اسکول سے واپسی کے بعد مسالے پیسنے کے بعد وہ رات کو پہاڑے پڑھتی تھی، فر فر انگریزی کی نظموں کو دہرایا کرتی تھی اور جمال دین اسے دیکھے جاتا۔

''تمکو! تم ایسے فر فر انگریزی کیسے پڑھ لیتی ہو بھلا؟''

''ابا! اتنی تو آسان ہے۔''

''لوگ تو کہتے ہیں بہت مشکل ہوتی ہے۔''

''لوگ سارے سچ تھوڑی بولتے ہیں بھلا۔ آپ ہر بات کا یقین مت کیا کریں۔''

پنسل تراش سے پنسل گھڑتی وہ جمال دین کو بہت سنجیدہ سی لگا کرتی تھی۔ اسکول جانے کے بعد اس میں ایک واضح تبدیلی جو آئی تھی وہ یہ تھی کہ جو کام صرف مائیں سکھا سکتی ہیں وہ اپنے اردگرد کی لڑکیوں استانیوں کو دیکھ دیکھ کر سیکھ جاتی تھی۔ جمال دین ایک مرد تھا کہاں تک سمجھ سکتا تھا۔

وہ ننگے سر نہیں رہتی تھی، سر ڈھانپے رہتی تھی۔ صفائی کا خاص خیال رکھتی تھی۔ جھاڑو اٹھا کر گرد کے

www.zemtime.com

طوفان ختم کرتی۔ پھر ایک دن تمکین جمال نے ہوم اکنامکس پڑھنے کے بعد تجرباتی کام شروع کر دیے تھے۔

چھٹی کلاس میں پہلا کام اس نے انڈہ ابالنے اور چائے بنانے کا سیکھا تھا۔

وہ برستی ہوئی بارش کا دن تھا جب جمال دین مسالوں کی کھیپ پہنچا کر واپس آیا تھا اور وہ ماں کے جہیز کے چینی والے برتنوں میں ایک کپ چائے، دو انڈوں، چٹکی بھر کالی مرچ کے ساتھ اس کی منتظر تھی۔

تاریخ گواہ ہے وہ جمال دین کی زندگی کی سب سے بہترین چائے اور اچھا ابلا ہوا انڈہ تھا۔

''ابا کیسا لگا؟'' وہ کب سے دل میں اٹھتے سوال کو دبا کر بیٹھی تھی کہ وہ چائے پی لیں تو وہ سوال کرے۔ چہرے پر تجسس۔ مڑی ہوئی پلکوں والی گھور آنکھوں میں جواب کی بے چینی۔

وہ وہیں دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے بیٹھے بیٹھے رونے لگے۔

''ابا! کیا ہوا؟'' وہ بوکھلا گئی تھی۔

باہر بارش تھی اور اندر آنسو وہ سسکیاں لیتے ہوئے اس کا ماتھا بار بار چومتے رہے۔

''میں نے ہزار بار نجمہ کو کہا ہے کہ میرا دل نہیں مانتا۔ میرا دل سچ میں نہیں مانتا تھا جب میرے پاس میری تمکو ہے تو مجھے کاہے کسی اور کی ضرورت رہے گی بھلا۔''

وہ فخر سے سر اٹھا کر بیٹھی تھی کہ وہ چائے کا کپ اور دو انڈوں کی خوشی نہیں تھی، وہ ابا کے سرخرو ہونے کی خوشی تھی۔

''چلو۔ اب بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟''

وہ سوچتی رہی کہ کیا مانگے؟ کس چیز کی فرمائش کرے؟

''دو دن بعد بتاؤں گی ابا۔''

دو دن بعد وہ شام کو سیڑھی پر چڑھی بیٹھی تھی اور ابا مسالے پیس رہے تھے تو اس نے اعلان کیا تھا۔

''آپ مجھے سولہ جماعتیں پاس کروا دینا بس۔''

سل بٹے پر پستا سوکھا دھنیا وہیں پڑا رہ گیا۔ انہیں توقع تھی کوئی کیچر، چوڑی، گڑیا، بستے کی فرمائش آئے گی مگر وہ لڑکی تو پڑھائی کی دیوانی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں سولہ جماعتیں پڑھاؤں گا۔''

وہ معاہدہ ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کو یاد بھی تھا پانچویں، چھٹی مڈل کے بعد میٹرک میں بھی وہ پوزیشن لے کر آگے بڑھتی گئی تھی۔

میٹرک میں جب تمکین جمال نے گورنمنٹ ماڈل ہائی اسکول میں قدم رکھا تھا تو اسے یہ ادراک ہوا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی سہیلیاں نہ بنا سکے گی شاید۔

''تمکین! تم لوگوں کی کیا گرم مسالوں کی فیکٹری ہے؟''

''کیوں؟''

''تم سے ہمیشہ مسالوں کی بو آتی ہے۔ کیا تم مسالے پیستی رہتی ہو؟''

وہ سب سے پیچھے بیٹھنے لگی۔ سب سے پیچھے جہاں بادیان کے پھول خاموش رہیں، جہاں جائفل کو چپ لگی رہی اور لونگ بھی سوئے رہیں مگر کب تک۔ مس شمیم نے اسے دھر لیا تھا۔

''تمکین جمال! آپ کلاس کی ذہین ترین لڑکی ہیں میں آپ کو آج کے بعد فرنٹ ڈیسک پر ہی بیٹھا ہوا دیکھوں۔''

وہ کئی کئی دن چپ رہی۔ ریڈیو پاکستان چلتا رہتا، بینگن کے پھول گرتے رہے۔ جمال دین کو اس کی چپی سے خوف آیا تھا۔

''تمکو! تم ٹھیک تو ہو ناں؟''

''ابا! آپ کوئی اور کام نہیں کر سکتے کیا؟''

وہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ کئی پردے حائل ہو گئے تھے۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''کچھ نہیں، آپ نہیں سمجھیں گے۔''

www.zemtime.com

دن گزرتے رہے۔ وہ روز موسموں کی پروا کیے بغیر نہا دھو کر خود کو مل مل کر اسکول جاتی رہی کہ سب خاموش رہیں مگر جمال دین کے کام میں کھوٹ نہیں تھا۔ چیچہ وطنی میں جمال دین کے مسالوں کی مثالیں دی جاتی تھیں تو وہ کیسے اب کھوٹ ہو جاتے۔

مس شمیم نے ایک دن ریاضی کے پیریڈ میں شاید لونگ کی بو پالی تھی۔

"یہ کلاس ہے یا کسی نائی کی دکان سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے میرا، ویسے بھی خوشبو سے میرا جی الٹتا ہے۔"

ساری کلاس کی نظریں تمکین جمال کے وجود میں چھید کرنے لگیں۔ وہ سفید رنگ کے ساتھ بیٹھی رہی مگر کہا تھا ناں جیسے ہی زندگی کی خوب صورتی کا ادراک ہونے لگتا ہے اسی وقت بدصورتی کسی کونے، کسی درز جھانک لیتی ہے۔

تمکین جمال پھر سے پیچھے چلی گئی تھی جہاں اس کے باپ کے کاروبار کا شور تھم سکے۔ جہاں کوئی سوال نہ ہو.....!

گھر والے برے نہیں ہوتے، زمانہ اور لوگ کبھی کبھی ہوتے ہیں اور تربیت صرف گھر نہیں کرتا یہ زمانہ نامی اسکول بھی کرتا ہے پھر آپ ہمیشہ اچھے نہیں رہتے۔ آپ خیر برے بھی نہیں رہتے مگر.....!

پچیس سالوں کی اذیت تمکین جمال کے سامنے پھر سے زندہ ہو گئی تھی۔ وہ کئی گھنٹوں کی بحث کرتی رہتی تھی کنیز فاطمہ سے کہ وہ آئیڈیلزم کا شکار ہے، وہ اپنی زندگی میں کچھ نیا شامل کرے گی۔ جہاں کوئی شرمندگی نہ ہو۔ کچھ بھی.....

اسے یاد آیا تھا جب وہ اور کنیز فاطمہ ہاسٹل روڈ کے پاس پنجاب یونیورسٹی کی دھان کی فصل کے سٹے ہتھیلیوں سے مسلتے ہوئے آئیڈیلزم اور آگے کی زندگی پر بحث کر رہی تھیں تو اس نے کتنا ہنس کر کنیز فاطمہ سے ایک بات کہی تھی۔

"میں اب پہلے والی تمکین جمال نہیں رہی۔ میں اپنے آگے کی زندگی میں کوئی شہزادہ ہی ڈھونڈوں گی جو پھولوں اور خوشبوؤں کا کاروبار کرتا ہوگا۔ چاہے وہ گلاب بیچتا ہو، یا چاہے اس کے موتیے کے کھیت ہوں۔" وہیں وقت نے یہ لمحہ ہنس کر دیکھا تھا۔

آج کھڑکی کھلی تھی تو تمکین جمال کو سب یاد آیا تھا۔ وہ پہلی والی تمکین جمال واقعی نہیں رہی تھی وہ ارسلان مکرم نامی شہزادے کو ڈھونڈ چکی تھی مگر وہ گلاب نہیں بیچتا تھا۔

"ہائے، افسوس کہ وہ موتیے کے کھیتوں کا مالک بھی نہیں تھا.....! وہ تو بس بادیان کے پھول اور لونگ کا بیوپاری تھا۔"

وہ شدت سے روتے ہوئے کنیز فاطمہ سے بات کر رہی تھی جو اپنے تھل کی ریت پر ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی۔

"کنیز فاطمہ! ہم نے خواب بنے تھے مگر وہ دھاگے کچے تھے سب کچھ ادھڑ گیا ہے، سینے کے ہنر میں ہم دونوں اناڑی ہیں۔ اب کیا ہوگا؟ میرا سانس بند ہو رہا ہے کاش ہم دونوں بھی سیرت امتیاز کی طرح سب چھوڑ چھاڑ کر دل کے مرض کا سہارا لے کر کسی اور طرف نکل جاتے۔"

کھڑکی کھلی ہے مگر ہوائیں بند ہو چکی ہیں۔

بس کبھی کبھی دور سے سیرت امتیاز کی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔ اور سیرت امتیاز بھی تو.....!!!

☆☆☆

سیرت امتیاز نے کسی شہزادی کی طرح راستوں میں کھجور کی گٹھلیاں نشانیوں کی صورت میں چھوڑی ہیں کہ شہزادے سراغ پائیں اور وہ دوڑے چلے آئیں وہ اس کوشش میں بھی کامیاب رہی مگر۔

یہیں آ کر سب ختم ہو جایا کرتا ہے کہ جہاں انسان ضروری ہو اسی بازار اسی خریدار کے ہاتھوں بکے۔ ورنہ کچھ ہم ایسے خاص لوگ ٹکے کے بھاؤ بک جاتے ہیں۔ یہی تمام عمر کے افسوس ہیں جو کہ لا حاصل ہیں۔

پوپلی بوا نے اسے بھورے بالوں والے لڑکے کو اچنبھے سے دیکھا تھا جو شاید انہی کی طرح کا کوئی خبطی

www.zemtime.com

تھا جو دسمبر کی خنک، ٹھٹھرتی ہوئی شام میں جو اداسی کے سارے رنگوں میں رنگی ہوئی تھی آ گیا تھا۔

''آئے ہائے، کس کا پتا پوچھتے ہو میاں؟''

اپنے کوٹ کی فر سے جیسے برف کے گالے جھٹکتا ہوا، سرخ ناک کی سوں سوں پر جھنجلاتا ہوا وہ جیسے برف کا آدمی بن گیا تھا۔

''میں سرخاب خان ہوں۔''

پوپلی بوا کے اپنے دانت اتنی ٹھنڈ میں بج رہے تھے کہ وہ ہنسی کا موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتی تھیں۔

''اے لو انسان بھی نرالے ہیں آج کے میاں، پرندوں کے ناموں پر بھی قبضے کیے جاتے ہیں۔'' وہ ہاتھوں میں چکوترے لیے کھڑی تھیں اور راستے میں ہی ٹھنڈ میں وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

سرخاب خان کو وہ گلیاں بہت اپنی اپنی سی لگی تھیں جیسے ہر دریچے سے، ہر چلمن سے، ہر اوٹ سے کوئی اسے دیکھ کر منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستا جاتا ہو کہ اس کی بات پوری ہو گئی تھی اور شرط آدھی رہ گئی تھی۔ وہ کھنکتا ہوا قہقہہ وہ چوڑیوں کی چھن چھن اٹھا ہوا سر۔

''تم جان لو کہ تم ڈھونڈتے ہوئے میری خبر لینے کے لیے ضرور اس گلی میں قدم رکھو گے مگر.....''

''مگر کیا؟'' وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ہمیشہ بات بھی کرتا تھا کہ وہ سانس تھی وہ لینے کو مجبور۔

''جس شام میری گلی میں قدم رکھو گے ناں تو تمہارے سارے حوصلے ریت ہو جائیں گے، تمہیں لگے گا ہر کوئی تمہیں دیکھ رہا ہے تمہیں پزل کر رہا ہے کہ سرخاب خان کو کوئی کیسے اپنی جگہ سے ہلا سکتا ہے۔ تو سنو اگر سیرت امتیاز کو تم اپنی جگہ سے کھسکا سکتے ہو تو پھر اس اکیسویں صدی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے..... کچھ بھی محبت بھی۔''

وہ بھورے آنکھوں والا پٹھان بے بس ہونے لگتا تھا۔ وہ لڑکی آکٹوپس تھی، ایسا جکڑتی تھی کہ سارے باندھے ہوئے بند بے کار ہوئے جاتے تھے۔

''کسی دن تم زندگی کے ہاتھوں بہت بڑا زک اٹھاؤ گی سیرت امتیاز۔'' پنجاب یونیورسٹی میں کیفے والے روڈ پر چہل قدمی کرتے ہوئے وہ اسے باور کرا رہا تھا۔

''زندگی کے ہاتھوں یا تمہارے ہاتھوں؟''

سرمئی سڑک بہت طویل تھی پنجاب یونیورسٹی کی سڑکیں کبھی ختم نہیں ہوتی تھیں بس کبھی کبھی گفتگو اور سوال جواب کا اختتام ہو جایا کرتا تھا۔

''جو سمجھ لو۔'' وہ اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سیدھا دیکھ رہا تھا۔ اور سیرت امتیاز اس بھورے بالوں والے شخص کے علاوہ بھلا اور کچھ دیکھ سکتی تھی؟ نہیں کبھی بھی نہیں جب تک اندھی نہ ہو جائے۔

''بزدل انسان! زندگی کو الزام مت دو، صاف صاف کہو کہ تم نے کوئی صدمہ دینا ہے مجھے۔''

وہ واپس پلٹ گئی تھی بغیر کچھ کہے اس جملے کے سوا۔ سرخاب خان نے اپنے قدم نہیں روکے، وہ بس چلتا رہا تھا۔ یونیورسٹی کی سڑکوں کے گرد ارجن کے درخت خزاں کی لپیٹ میں تھے۔ وہ بس مڑ مڑ کر دیکھتی رہی تھی کہ شاید وہ پلٹے گا مگر.....

آج وہ پلٹ آیا تھا ان تنگ گلیوں میں جو جدت اور قدامت کا حسین امتزاج تھیں کہ جہاں وہ بلند قہقہے لگانے والی لڑکی رہائش پذیر تھی۔ اس کے قہقہے اور ہنسی کی بے ساختہ کھنک پر لوگ مڑ مڑ کر، پلٹ پلٹ کر دیکھا کرتے تھے۔

آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں جہاں مٹی کے برتن، گھروندے بنانے کی ورکشاپ تھی وہ وہاں دوستوں کے گروپ کے ساتھ کھڑا تھا، جب یوں لگا تھا کوئی یونیورسٹی کے کوریڈور میں ونڈ چائمز لگا کر رفو چکر ہو گیا ہو اور وہ آوازیں انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی تگ و دو میں ہوں۔ سرخاب خان اچانک مڑا تھا اور ونڈ چائمز کے لیے ہوائیں گمشدہ ہو گئیں۔ وہ ہلکے سے اس لڑکی سے ٹکرایا تھا

www.zemtime.com

جس کی ہتھیلی پر مٹی کی ایک چھوٹی سی خوب صورت صراحی تھی جو شاید وہ ورکشاپ سے بنا کر خوش ہوتی ہوئی ابھی باہر آ رہی تھی سرخاب کی ٹکر سے وہ کوریڈور کے فرش پر گر کر دوبارہ مٹی کے لوتھڑے کی شکل میں ڈھل گئی تھی۔

وہ ہنسی تھم گئی تھی وقت بھی اور سیرت امتیاز بھی۔ وہیں لمحوں نے زنجیر باندھ لی تھی۔

سرخاب کو لگا وہ ابھی طیش میں آ جائے گی، چیخے گی چلائے گی جیسے لڑکیاں عموماً کرتی ہیں۔ وہ بس خاموش ہو گئی تھی، تھوڑا سا بھیگی مٹی کا وہ لوتھڑا اٹھایا اور پیچھے الٹے قدموں کے ساتھ ہٹتی چلی گئی تھی جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں۔ یہیں آ کر ان کی پہلی ملاقات ختم ہوئی تھی۔

دوسری ملاقات ہاسٹل روڈ کی طرف ایس ٹی سی کوریڈور میں ہوئی تھی جہاں کچھ لڑکیاں چھوٹے چھوٹے کپ کیکس میں رنگ برنگی موم بتیاں جلائے سالگرہ کی دھن گنگنا رہی تھیں۔ وہ سرد موسم تھا کوریڈور میں چاروں طرف سے دھند گر رہی تھی، دودھیا بلبوں کی روشنی میں وہ لڑکی بیچوں بیچ کھڑی تھی اور اس کی دوستیں کورس میں گا رہی تھیں۔ ایس ٹی سی دھند میں لپٹا ہوا۔ موسم کی خنکی۔ اور ہلکی سی رومانوی سی فضا۔

سرخاب وہیں سے گزرا تھا اپنے دو دوستوں کے ہمراہ جب اس نے اپنے پیچھے آواز سنی تھی۔

''سنو۔''

وہ تینوں پلٹے تھے۔

''کون؟''

''بھورے بالوں والے لڑکے میں تم سے مخاطب ہوں۔''

سرخاب نے سٹپٹا کر اپنے دوستوں کے سر کے بالوں کی طرف دیکھا تھا اور پھر اسے لگا تھا وہ اسے ہی تو بلا رہی تھی۔

''کون میں؟'' سینے پر انگلی رکھے وہ تصدیق چاہ رہا تھا۔

''ہاں تم۔''

وہ تھوڑا سا آگے بڑھ آیا تھا۔ دھند گرنے لگی تھی خنکی بڑھنے لگی۔

''یہ لو منہ میٹھا کر لو آج میری سالگرہ تھی۔'' وہ ہتھیلی آج کپ کیک سے سجی ہوئی تھی، چھوٹا سا کپ کیک اور چھوٹی سی اس پر جلتی بجھتی اور پگھلتی ہوئی موم۔

''میں آپ کو نہیں جانتا۔'' دھند میں سب گم ہونے لگا تھا حتیٰ کہ وہ دونوں بھی جب اس نے اپنے پیچھے آواز سنی تھی۔

''سنو..... تم لمحوں کی واردات پر یقین رکھتے ہو؟''

''نہیں، میں ایک زمینی اور حقیقی انسان ہوں محترمہ۔''

چھوٹا سا کپ کیک اور ننھی سی موم بتی پیچھے کھینچ لی گئی تھی۔

کوریڈور میں ونڈ چائمز پھر سے کہر آلود شام میں بجنے لگے۔

''جلد تم زمینی نہیں رہو گے۔ اور حقیقی بھی۔ میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا جو لمحوں کے وارد ہونے سے منکر ہوتا ہے ناں تو لمحے اسے جا پکڑتے ہیں۔ اللہ تمہیں لمحوں کے عذاب سے محفوظ رکھے بھورے بالوں والے حسین شخص۔''

وہ دونوں اپنے اپنے راستے مڑ گئے تھے۔

پنجاب یونیورسٹی کی فضا میں راجا انور کے جھوٹے روپ کے درشن کے کرداروں کی محبت میں لمحوں کی واردات ابھی بھی تازہ تھی۔

آج وہ لمحوں کی واردات کا مکمل شکار ایک خیالی شخص ان تنگ گلیوں میں مجنوں ہوا پھرتا تھا۔

پوپلی بوا کو جلد از جلد وہ بحث ختم کرنی تھی۔ بڑے ابا کو اخبار کے بعد چکوترے کھانے تھے اب تک وہ ادارتی صفحہ بھی ہضم کر چکے ہوں گے اور ان کی تلاش میں کئی ہرکارے نکل رہے ہوں گے ساتھ ساتھ صلواتیں بھی ضروری تھیں۔

''کس کا پتا لینے آئے ہو؟''

www.zemtime.com

وہ جھجکا کہ کیسے کہے کہ وہ کس کی خبر لینے آیا ہے؟

اگر انہوں نے پوچھ لیا کہ کیا رشتہ ہے کیونکر ایک کنواری کی خبر کو آئے ہو؟

یہی بات اس نے درنجف کے سامنے رکھی تھی تو وہ جو سوکھے گوشت کی یخنی تیار کر رہی تھی بڑے عجیب سے انداز میں ہنسی تھی۔

''جب تم مجھے قائل کر سکتے ہو تو پھر دنیا کے کسی بھی انسان کو قائل کر سکتے ہو۔''

''تم تو مجھ سے محبت کرتی ہو تبھی یقین کر لیتی ہو، دنیا کا مجھ سے کسی محبت وحبت کا رشتہ نہیں ہے۔''

گھا گھرے میں پڑی چنٹیں ٹھیک کرتی، لکڑیوں کو چولہے میں برابر کرتی وہ درنجف تھی۔ جس کو معلوم تھا کہ لمحوں کی واردات کیا ہوتی ہے؟ تبھی اس نے سرخاب خان کے لیے رستہ صاف کر دیا تھا۔

''تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟''

خوبانیوں کے باغ میں گلی سڑی خوبانیوں کی باس سونگھنے کی حس کو نا گوار تھی۔

''میں دل نہیں بدل سکتی تمہارا۔ میرے ظرف کو اگر کبھی ماپنا ہو تو علاقے کے سارے پہاڑ ذہن میں رکھنا شاید ان سے بھی زیادہ وسعت ہو میرے دل میں۔ سب کی چاہ الگ الگ ہوتی ہے مجھے صرف تمہارے نام کی چاہ ہے کہ فقط درنجف سرخاب کہلوائی جاؤں اور بس..... مورے کہتی ہیں کہ میں پاگل ہوں، جھلی ہوں جو اپنے بندے کو کسی دوسری کے حوالے کرنے کا سوچ رہی ہوں۔ مورے میری ماں ہیں مگر وہ بھی میرے ظرف کو نہیں جانتیں۔ تم اس کے سامنے جانا تو میرا نام لے کر کہنا کہ درنجف بھی سرخاب خان کے نکاح میں ہے اور صرف نام چاہتی ہے تو کیا وہ صرف نام کی حد تک مجھے قبول کر لے گی؟ اگر وہ ہاں کہہ دے تو مجھے بتا دینا میں اخروٹ کا حلوہ تقسیم کروں گی۔ اگر وہ انکار کرے تو تین طلاق کے پتھر بھجوا دینا۔ تمہارا نام نہ سہی مگر پتھر ہی سہی جو نصیب میں ہول کر ہی رہتا ہے۔''

آسمان گیلا گیلا سا تھا، گلی میں شہتوت کے درختوں کی بہتات تھی جن سے شاید شام کی اوس ٹپکتی تھی۔

پوپلی بوا اس خیالی پلاؤ پکاتے انسان کو درفٹے منہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھیں اب تو چکوتروں والا تھیلا بھی وزنی ہوتا جا رہا تھا۔

''سنیں۔ مجھے سیرت امتیاز سے ملنا ہے۔''

پوپلی بوا پتھر ہو گئیں۔ وہ جو جلدی جلدی کی ہڑبونگ تھی وہ بھی غائب ہو گئی تھی۔ دسمبر کی دانت کٹکٹاتی سردی نے ان دونوں وجود کو جیسے موسم کی سختی سے آزاد کر دیا تھا۔ بوڑھی آنکھوں نے درد کی شدت سے مغلوب ہو کر گالوں پر آنسوؤں کو بہہ جانے دیا تھا۔ یہاں بھی خزاں کے موسم میں ساون نے اپنی گھات لگائی تھی۔

''کل شام یہیں اسی جگہ ملنے آنا میں تمہیں بتاؤں گی پتا سیرت کا۔''

نگری نگری پھرا مسافر جیسے کسی گلاب کی مانند کھل اٹھا تھا کہ اب تھکن وجود کو چاٹنے لگی تھی۔ مسلسل کئی ماہ کی تلاش کے بعد وہ سیرت امتیاز تک پہنچنے والا تھا۔

پوپلی بوا نے اپنی شال سے آنکھوں کا کھارا پانی جھاڑا تھا۔

''چکوتر اکھاؤ گے؟''

''نہیں اماں! بہت شکریہ۔ میں کل شام کو آپ سے یہیں ملوں گا۔''

''خیر سے جاؤ اللہ کی امان میں۔''

وہ ان تنگ گلیوں میں اپنے موٹے فر کے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے جوگرز سے شور پیدا کرتا ہوا سیدھا چلتا جا رہا تھا۔ پوپلی بوا نے تب تک دیکھا جب تک سرخاب نظر آتا رہا، پھر وہ دسمبر کی دھند میں کسی نقطے کی طرح گم ہو گیا۔ وہ سوچ کے دھاگوں میں الجھی گھر آئی تھیں۔ تین منزلہ عمارت کے پہلے فلور پر ان کی مطلوبہ جگہ تھی۔ وہ تھیلا تھامے خراماں خراماں اندر آئی تھیں۔ آیت اپنے لمبے بالوں کو جوڑے میں باندھتی ہوئی خفا خفا سی کچن سے باہر آئی تھی۔

www.zemtime.com

"سو بار افضل کو کہا ہے کہ آپ کو باہر کے کام کے لیے نہ بھیجا کرے مگر مجال ہے جو یہ انسان کبھی اپنے مالکوں کا کہا مان لے۔ میں تو اس سے بہت تنگ ہوں بوا، کل سارے ان ڈور پلانٹس کے گملے باہر صحن میں رکھ دیے وہ تو شکر ہے طاہر نے دیکھ لیا ورنہ سارے پودے ختم ہو جاتے تھے۔"

ابا میاں بید کی کرسی میں پھنسے ہوئے کب سے چکوتروں کے منتظر بیٹھے تھے۔ اداریتی صفحے کو ختم کر کے اب وہ پنجرے میں موجود آسٹریلین توتوں کی طرف متوجہ ہوئے نظر آتے تھے۔ یاد کی سلیٹ پر کوئی منظر سفید چاک کی طرح نقش ہونے لگا تھا۔

"سگی اولاد ہوں آپ کی جو بھی فرمائش کروں پوری کر دیا کریں سگوں کو رشتوں کی زیادہ قدر ہوتی ہے، سوتیلے تو ہمیشہ حق ہی مارا کرتے ہیں۔ مگر آپ کو تو میں کبھی نظر ہی نہیں آئی۔ دو سال سے ایک یونیفارم پر گزارہ کر رہی ہوں میری تو خیر ہے۔ اگلے دو سال پرانے سویٹر کے ساتھ بھی گزارہ کر لوں گی، مسئلہ تو پوپلی بوا کا ہے عینک کا نمبر بڑھ گیا ہے اور بی پی اکثر لو ہی رہتا ہے۔ بس میں ہی ڈھیٹ ہوں کہ جو رتی بھر بھی پروا نہیں کہ چابی کے گڈے کی طرح جیے جاتی ہوں..... جیے جاتی ہوں۔ بس کیا کروں اللہ نے ایسا ہی بنایا ہے مجھے..... اتنا سا تو میرا دل ہے کہ سوتیلوں کو بھی خون سمجھ کر واری صدقے جاتی ہوں کہ ہیں تو باپ جائے دنیا میں رکھ تو بس ایک ماں جائی رہی ہے وہی کافی ہے باقی سب کیوں بھگتان بھریں۔ خیر ایک تو مہینوں بات نہیں ہوتی اور جب ہوتی ہے تو میری شکایتیں آپ کو بے سکون کر دیتی ہوں گی۔ خیر کہنا یہ تھا کہ طاہر بھائی کے اکاؤنٹ میں پیسے مت بھیجا کریں مجھے کم ہی ملتے ہیں پھر جب شاپنگ پر جاتی ہوں تو ہر بار میرے موزوں کے لیے پیسے کم پڑ جاتے ہیں۔ باقی یہ کہ اب کی بار ذرا اگر ممکن ہو تو ذرا زیادہ پیسے بھیج دیجیے گا مجھے ضرورت ہے۔ کچھ توتے خریدنے ہیں پنجرہ خرید رکھا ہے مگر خالی پڑا ہے کچھ دنوں کا شوق ہے پھر پرندے بھی آزاد کر دوں گی۔ ایک میں ہی پنجرے میں زندہ انسان کافی ہوں۔"

سلیٹ صاف ہو گئی اور سب غائب انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا آیت چکوترے اور کالا نمک لیے سامنے کھڑی تھی۔

"ابا! کھالیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کریں جب سے قطر سے آئے ہیں کمزور ہی ہو گئے ہیں آپ تو۔"

وہ بس ہولے سے ہنستے چکوترے کی پھانکیں منہ میں رکھنے لگے تھے۔

"تمہاری ماں کدھر ہے آیت؟"

کچن سے ککر کی سیٹی کی آواز آنے لگی تو وہ ادھر دوڑ گئی تھی۔

"وہ جم خانے گئی ہیں کچھ ورزشیں کرنی تھیں کہہ رہی تھیں پٹھے کھنچے رہتے ہیں اور اکڑن ہو جاتی ہے جسم میں۔" لان میں لگے پام کے درختوں پر سرد سا آسماں کھڑا تھا۔ سنجیدہ اور پر ملال جیسے کسی نقصان، کسی زیاں کا بوجھ اٹھائے کھڑا ہو۔

ابا نے پوپلی بوا کو تسبیح کے دانے گراتے ہوئے جائے نماز پر بیٹھے دیکھا، وہ ایسے ہی کہیں گم ہو جایا کرتی تھیں۔

"بوا.....؟" وہ ٹھٹھری ہوئی سرگوشی پوپلی بوا کو حال میں کھینچ لائی تھی۔

"وہ میرے بارے میں کیا کہتی رہی آپ سے؟"

بوا کا دل چاہا ہنس دیں کہ وہ شہزادی جو کھجور کی گٹھلیاں نشانیوں کی صورت پھینک گئی تھی کہ ڈھونڈنے والے اس کی خبر کو آئیں گے تو وہ کامیاب رہی تھی مگر..... سب کچھ ہونے کے باوجود سب ہوتے ہوئے بھی اگر رر..... کیوں؟؟

"کئی سال ناراض رہی کہ شکل نہیں دیکھے گی لیکن بڑا چھوٹا سا دل تھا اس کا جو سولہویں سن میں لگی تو ہر رات سونے سے پہلے تمہاری تصویر سرہانے لے کر سوتی تھی کہ بوا جو بھی ہے جیسے بھی ہیں اللہ نے میری زندگی میں باپ جیسا رشتہ رکھا ہے تو پھر مجھے اترانا چاہیے۔ میں کیوں ٹھنڈی آہیں بھر بھر کر زندگی مشکل کروں۔ کہتی تھی، ابا اچھے ہیں پیسے بھیجتے ہیں، ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اور پتا ہے امتیاز بھی تم

www.zemtime.com

اسے بازاروں میں پیسے خرچ کرتا ہوا تو دیکھتے۔ رقم کئی کئی بار گنا کرتی تھی۔ کہتی کہ بوا میرا حساب بڑا کمزور ہے۔ مگر مجھے پتا تھا کہ امتیاز حساب کے کچے ہمیشہ تم ہی رہے وہ بڑی پکی تھی۔"

تو توں نے دیوار سے بلی کو کودتے دیکھ لیا تھا۔ ٹیں ٹیں کی آوازوں سے امتیاز ولا گونج اٹھا تھا۔ چکوترے کا ذائقہ جیسے کونین ہوگیا اور پوپلی بوا بھی آنکھیں بند کیے کسی دور دیس کو روانہ ہوگئی تھیں۔ شام کی شال رات نے ہمیشہ کی طرح ادھار لے کر اوڑھ لی تھی وقت نے ایک لمبی جست بھری اور دوسرے دن کی شام کو جالیا۔

وہی شہتوت کے درختوں والی تنگ گلی تھی جہاں چند بلیاں اپنے بچوں کو لیے گھر گھر گھوم رہی تھیں کہ بچوں کو آنکھیں آنے والی تھیں۔ بھورے بالوں والا وہ شخص منہ سے دھوئیں اڑاتا پھر سے پوپلی بوا کے مقابل تھا۔ دور دور تک کوئی آدم زاد نہ تھا۔ وہیں بوا نے وہ کالی سیاہ رنگ کی بھاری ڈائری اسے تھما دی تھی۔ وہ جیسے سیرت امتیاز کا پتا تھا جو اس وقت کی سب سے قیمتی شے تھی جس کی سرخاب کو ضرورت تھی۔

"سنو، آج کے بعد اس گلی میں نہ آنا جس کے ساتھ تمہارا واسطہ تھا وہ تو....." بوا ادھوری بات اس کے حوالے کر کے خود پوری گلی پار کر کے نقطے کی صورت گم ہوگئی تھیں۔

وہ ادھر ادھر دیکھ کر بھاگتا دوڑتا ہوا ایک قریبی پارک کی طرف نکل آیا تھا جہاں املتاس اور گل مہر کے پیڑ تھے۔ خزاں نے ہر طرف اداسی کا پانچواں موسم طاری کر دیا تھا۔ وہ کالے رنگ کی ڈائری کھولتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی لرزش کو بغور محسوس کر رہا تھا جو اسے اپنے جسم کی نس نس میں محسوس ہو رہی تھی۔

"آداب دنیا جہان کے سب سے خوب صورت انسان، مجھے معلوم ہے کہ میں نے اربوں کھربوں کی دنیا کو چھوڑ کر فقط تمہیں خوب صورت کہا ہے تو پہلے بتا دوں کہ میری ہر بات کا یقین مت کرنا۔ بقول میرے دوستوں کے میں باتیں گھڑنے کی فیکٹری ہوں جہاں خام مال میں جذبات ڈال کر خاص پراڈکٹ میں صرف اور صرف باتیں ہی نکلتی ہیں۔ بھلا خوب صورت باتوں کے علاوہ بھی اس دنیا میں کچھ حسین اور دلکش ہو سکتا ہے؟ شاید نہیں یا پھر کبھی نہیں۔"

میں نے زندگی سے صرف ایک چیز سیکھی تھی جیسے بھی حالات ہوں بس مسکرا دو، ویسے تو بہت کچھ سیکھا ہے۔ جو جائز تھا مجھے وہ سب میں نے سیکھا ہے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی چیز میں مہارت رکھتا ہی ہے تو میری مہارت میرا سکون ہی رہا ہے۔ اماں کی وفات کے بعد سوتیلی ماں کے عذاب کے بعد بہت کم اولادیں سکھی رہتی ہیں، مگر میں ان کم لوگوں میں سے ہوں میں نے کچھ بھی کبھی بوجھل اور بھاری نہیں رکھا کہ بس اتنا بوجھ لادے گھومتے رہو۔ میں بھی کبھی نہیں گھومی مگر میں نے اپنا بار کبھی نہیں اٹھایا بس لوگوں کے اٹھائے ہیں کہ وہ زندگی میں کس کس کسوٹی پر پرکھے گئے ہیں۔ سب کو لگتا ہے مجھے انسانوں اور جذبوں کی پرکھ ہے۔ اور میں اس بات پر اترائی ہوں کہ ہاں مجھے پرکھنے کا ہنر آتا ہے۔ آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ کی ورکشاپ میں تم نے میری مٹی کی صراحی توڑی تھی یاد تو ہوگا؟ انسان جس جس شے کو بھی کبھی توڑے تو اسے یاد رکھے کبھی مرمت کا سمے ہو تو جوڑ دے، یہی جوڑ توڑ ہی تو زندگی کا حصہ ہیں موسیو۔ موسیو خوب صورت لقب، خطاب یا جو بھی ہے مجھے بہت اچھا لگتا ہے سوچا تمہیں موسیو کہہ کر پکارا کروں؟

کیا میں پکار لیا کروں بہت سے احترام مانع ہوتے ہیں کہ تم میرے سینئرز میں شمار ہوتے ہو مگر پھر بھی، زندگی کو آسان ہونا چاہیے..... ہے ناں موسیو؟ میں نے لمحوں کی بات کی ہے ہمیشہ کہ لمحے مقدس ہوتے ہیں وارد ہوتے ہیں، اگر ہو جائیں تو احترام کر لیا جائے۔ میں کرتی ہوں مگر تم نہیں کرتے سرخاب خان، تم نے وہ مٹی کی صراحی نہیں توڑی تم نے میرا دل پارہ پارہ کیا تھا۔ کتنا عجیب ہے کہ کچھ لوگ لمحوں کی چوٹ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ میرا یہ روپ صرف تم جانتے ہو ورنہ ابا ابھی بھی مجھے ناخلف، نافرمان اولادوں میں شمار کرتے ہیں۔

www.zemtime.com

پوپلی بوا کے لیے میں ڈھیٹ ہوں اور سوتیلے رشتوں کے لیے کچھ بھی نہیں ہوں ہی ہی ہی۔ کچھ بھی نہ ہونے کا بھی اپنا مزا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کبھی کچھ نہ ہو کر؟ میں نے تمہاری فطرت بھی پہچان لی تھی جب تم نے میرا کپ کیک واپس کر دیا تھا تب میں نے سوچا تھا کہ وہ میرا خاص دن تھا تمہارا بھلا کیسے ہو سکتا تھا؟ بس یہی ہوا تھا۔ اس رات میں ہاسٹل کی چھت پر دسمبر کی سردی میں اکیلی چہل قدمی کرتی ہوئی صرف تمہیں سوچتی رہی تھی سرخاب خان کہ زندگی نے مجھے پھر کس اسٹیج پر لا کر کھڑا کر دیا ہے اور مجھے کون سا کردار ادا کرنا ہوگا۔ وہ رات عجیب رات تھی جب مجھے کوئی سامع ضروری تھا اور پھر میں نے سب کچھ عدن جبار سے کہہ دیا تھا کہ اس رات کنیز فاطمہ اور تمکین جمال اپنے گھروں کو روانہ ہو چکی تھیں وہ رات مجھ پر بھاری تھی۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ادھر دسمبر کی خنک صبح کا سورج مشرق سے ابھرا تھا اور میری عدن جبار سے بات مکمل ہوئی تھی جو اچھے دوستوں کی طرح مجھے سنتی رہی تھی، بغیر کسی سوال کے، کسی تفتیش کے، ایسے دوست کہاں ہوتے ہیں سرخاب خان؟''

گل مہر اور املتاس ہوا کی چھیڑ سے پت جھڑ موسم کی ریت نبھانے لگے۔ درختوں نے پرانے خشک پتوں کو وجود سے اتارنا شروع کر دیا تھا۔ سرخاب خان کالی ڈائری کا صفحہ موڑ کر نشانی رکھے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مڑے ہوئے صفحے کے کونے پر ایک دوست کا نام ابھرا ہوا ہے۔

عدن جبار.....

ایک ایسی دوست جس کے لیے شہزادیاں نشانیاں کبھی نہیں رکھتیں کہ دوستوں کو نشانیاں ضروری نہیں ہوتیں.....!!

☆☆☆

عدن جبار کی زبان میں زہر اگ آیا تھا جس نے فردوس گوہر کو نیلا کر دیا تھا۔ دوست بھی اپنی زبان میں ڈنک رکھتے ہیں، ڈنک میں زہر ہوتا ہے اور اس زہر کا تریاق دنیا میں کہیں بھی میسر نہیں ہوتا۔ کہیں بھی نہیں۔

فردوس گوہر کو اپنی عزیز جان دوست نے ڈس لیا تھا۔ وہ آنسو بھری آنکھیں لیے ان تینوں کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ کنیز فاطمہ کو، تمکین جمال کو اور عدن جبار کو، اسے شدت سے سیرت امتیاز یاد آئی تھی کہ اگر وہ ہوتی تو کبھی اسے تنہا نہ چھوڑتی۔

شعبہ ابلاغیات کا گراؤنڈ تھا جہاں یہ سب چل رہا تھا۔ آس پاس لوگ اپنے اپنے فائنل پراجیکٹس کی تیاریوں میں مگن نظر آ رہے تھے، شوٹ ہو رہے تھے کاسٹیومز کی بحث چھڑی ہوئی تھی، کوئی اسکرپٹ تھامے اپنے ڈائیلاگز رٹنے میں مصروف تھا۔

''دوست زندگی ہوتے ہیں، قابل ستائش ہوتے ہیں۔'' عدن جبار نے بازو سے پکڑ کر اس جھنجوڑ دیا تھا۔ ''تم سن رہی ہو ناں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟ میں نے کبھی وہ چیز تک استعمال نہیں کی کہ جس کے بارے مجھے شبہ بھی ہو کہ وہ کسی اور نے استعمال کی ہو بھی۔ یہاں چیز ہوتی کوئی، کافی مگ، موبائل فون، آؤٹ فٹ، اسکارف تو میں چھوڑ دیتی کسی لمحے بھی سوچے بغیر مگر فردوس گوہر یہاں معاملہ کسی چیز کا نہیں ہے ایک انسان کا ہے، جو میرے لیے کتنا ضروری ہے۔ یہ بات صرف میں جانتی ہوں تم نے مجھ سے خلیل کو چھینا ہے۔''

عدن جبار کا گلا رندھ گیا تھا آواز بیٹھ رہی تھی، وہ اسے مسلسل چھتیس منٹ سے لتاڑ رہی تھی۔ جواب میں وہ ہمیشہ کی طرح چپ رہی تھی کہ اسے بس یہی کرنا آتا تھا خاموشی اور بس۔

فردوس گوہر نے اپنی نم آنکھوں کو اٹھایا تھا۔

''میں ایسے کیسے کر سکتی ہوں عدن، میں تمہارے ساتھ کیسے کر سکتی ہوں؟'' وہ تائید چاہتی تھی مگر کنیز اور تمکین بھی عدن جبار کی طرف کھڑی تھیں اس لمحے فردوس گوہر پر تنہائی کا قرب وارد ہوا تھا جس نے اس کے قدم تک اکھاڑ پھینکے تھے۔

''تم کر چکی ہو ایسے، میں نے تم دونوں کو گلوریا جینز میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''اپنی آنکھوں پر اعتبار کر رہی ہو عدن؟''

اسٹوڈنٹس نے متوجہ ہونا شروع کر دیا تھا۔

www.zemtime.com

اسکریٹ تھامے مکالمے پریکٹس کرتی شازمہ رک گئی تھی۔ طلحہ جو کیمرہ تھامے لانگ شارٹ لے رہا تھا وہ بھی ٹھٹک گیا تھا۔

وہ بہترین دوستوں کی لڑائی تھی جو اس سے پہلے گزرے سالوں میں سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہی تھیں مگر آج کوئی الگ کہانی تھی۔

''میں نے خود تمہیں دیکھا ہے فردوس، تم رو رہی تھیں اور وہ تمہیں چپ کروا رہا تھا۔ میں نے اس وقت اسے کالز کیں مگر میری آنکھوں کے سامنے اس نے کالز کاٹ دیں، وہ تمہاری طرف متوجہ تھا۔''

آسمان کا نیلا رنگ ہلکے سرمئی رنگ میں بدلتا رہا لاہور کے موسم کا بھی اعتبار نہیں تھا پل میں اپنا چولا بدل لیتا تھا ہواؤں میں ٹھنڈک در آئی تھی۔

''اپنے دل کی سنو، وہ تمہیں کیا کہتا ہے؟ میں سب کچھ ہو سکتی ہوں عدن مگر میں اللہ کی قسم سچ کہتی ہوں میں خائن نہیں ہوں۔'' وہ پریوں کے جیسی فردوس گوہر جسے شعبہ ابلاغیات میں اپسرا کہہ کر پکارا جاتا تھا سسک رہی تھی وہ اس وقت دنیا کے کسی بھی انسان کو کچھ بھی سمجھانے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

کچھ سچ اتنے مہلک ہوتے ہیں کہ انسان کے جسم اور روح کو مردہ کر دیتے ہیں وہ بھی ایسا ہی سچ تھا سامنے آتا تو بہت کچھ مر جاتا۔ سب سے پہلے فردوس گوہر، پھر دوستی، پھر رشتے اور بس۔

بارش کی پہلی بوند فردوس گوہر کے لمبے سیاہ بالوں میں گم ہوئی۔ وہ اسٹیچو بنی کھڑی رہی۔

''کنیز فاطمہ! تم عدن کو سمجھاؤ، میں ایسی نہیں ہوں میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں خلیل بے شک اچھا لڑکا ہے، اچھا دوست ہے مگر وہ صرف دوست ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ تمکین! تمہیں تو سب خبر ہے ناں تم تو مجھے جانتی ہو ناں۔''

عدن نے زور سے اس کا بازو جھٹکا تھا۔ درد کی ٹیس بازو سے ہوتی ہوئی دل تک پہنچ گئی تھی۔

''تم مان لو کہ تم شروع سے ہی ایسی ہو فردوس۔ تم جیسی لڑکیاں صرف یونیورسٹی میں دوسروں کے منگیتر پھانسنے آتی ہیں جنہیں اپنی فیملی ویلیو نہیں دیتی تو وہ توجہ کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ کچھ بھی.....''

لفظ تیر تھے نشانہ دل تھا عدن جبار نشانے کی پکی تھی، فردوس گوہر شکار ہو گئی تھی وہ ڈیپارٹمنٹ سے لڑتی ہوئی باہر یونیورسٹی کے روڈ پر آ گئی تھیں جسے پنجاب یونیورسٹی کا جنت روڈ کہا جاتا تھا۔ مگر آج وہ دوزخ ہو گیا تھا۔ آگ تھی، شعلے تھے، فردوس سڑ رہی تھی۔

''میرا یقین کرو عدن۔''

وہ رکی تھی اور اس بار اس نے تھپڑ فردوس کے چہرے پر جڑ دیا تھا۔

آسمان گہرا سیاہ ہو گیا۔ بجلیوں کی کڑک شروع ہوئی تھی۔ کنیز فاطمہ اور تمکین جامد تھیں۔ فردوس بے تحاشا رو رہی تھی۔ آس پاس گزرتے اسٹوڈنٹس رکنے لگے تھے، موسم بدلا تھا تو ہاسٹل کے لڑکیاں لڑکے چھتریاں اٹھائے آ گئے تھے۔ انسان بدلا تھا تو کوئی مہربان چھتری نہیں تھی کہ انسان اوڑھ لے۔ زبان کے زہر نے نیلا کر دیا تھا۔

''پیراسائیٹ ہو تم، دوست کیسے ہو سکتی ہو۔ تم نے مجھ سے خلیل کو چھینا ہے۔ فردوس! اللہ کرے تم مر جاؤ۔''

عدن جبار غائب دماغ ہو رہی تھی۔ اسے سب رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں پر یقین کر رہی تھی۔ آنکھیں فریب دکھاتی ہیں، وہ دل کو کنارے کر چکی تھی۔

وہ تینوں آگے آگے تھیں اور فردوس گوہر پیچھے پیچھے یہاں تک کہ وہ مین روڈ پر نکل آئی تھیں۔

''وہیں رک جاؤ فردوس، تم اور میرے پیچھے آئیں تو میں اسی ٹریفک کے آگے جان دے دوں گی۔ میں نفرت کرتی ہوں تم سے، سخت نفرت۔ آخ تھو۔ تم نے مجھ سے کوئی چیز مانگ لی ہوتی مگر خلیل.....!'' عدن جبار کانپ رہی تھی وہ دونوں اسے سنبھالنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

آسمان کی کھڑکیاں کھل گئی تھیں اور بارش کی بوچھاڑ نے سب کچھ جل تھل کر کے رکھ دیا تھا۔ فردوس گوہر نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا تھا۔ وہ شکوہ کناں سی نظر بے وقعت ہارے ہوئے قافلوں کی مانند وہ واپس

www.zemtime.com

پلٹی تھی۔ چھاجوں چھاج برستی بارش میں وہ یونیورسٹی کے روڈ ناپتی رہی۔ جامعہ مسجد کے سامنے روش پر ٹہلتی رہی سکون گم ہو گیا تھا جیسے کسی بچے کا گرد میں سکہ گم ہو جایا کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ وہ بوٹینیکل گارڈن میں ٹہلتی رہی جہاں کسی بھی طالبعلم کا داخلہ ممنوع تھا۔

کسی نے اسے بتایا تھا اندھیرا چھاتے ہی بوٹینیکل گارڈن میں اونچے درختوں سے چمگادڑیں لٹکتی ہیں۔ وہ سر اٹھا کر دیکھتی رہی۔ شام ہو گئی تھی۔ بیگ میں رکھا موبائل ہلکی ہلکی آواز میں بج رہا تھا۔ وہ پتھروں کی روش پر اکڑوں بیٹھ گئی تھی۔

''پیرا سائیٹ۔'' ایک پھیکی سی ہنسی، ارزانی کا گماں۔

ساری زندگی وہ اس وجہ سے خوش تھی کہ اس نے اپنے دوستوں کی صورت حاصل پا لیا ہے مگر سب سراب تھا۔ عدن جبار نے اس کے سر پر آسماں گرایا تھا۔ کاش کنیز فاطمہ اور تمکین اس کی مدد کو آ جاتیں۔

موبائل کی گھنٹیاں تیز ہوتی گئیں۔

وہ بیگ سے موبائل نکال رہی تھی۔

اسکرین پر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

''خلیل کالنگ۔''

بارش تھمنے کے بعد ہواؤں کا شور بڑھ گیا تھا شور بڑھ جائے تو ساری آوازیں نگل جاتا ہے مگر ایک آواز ہر شے پر حاوی تھی۔

''مجھے سخت نفرت ہے تم سے، خائن ہو تم۔''

وہ سسک رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ مالی نے اسے روتے دیکھا۔ وہاں کئی لڑکیاں آیا کرتی تھیں کونے میں بیٹھ کر گھنٹوں روتی تھیں مگر وہ ان جیسی نہیں لگ رہی تھی۔

وہ انتہائی حسین لڑکی تھی جیسے کوئی مکمل نظر آتا ہو، کامل ہو مگر اندر کا کھوٹ صرف اسے ہی پتا ہو کہ دنیا صرف ظاہر دیکھتی ہے۔

وہ کال ریسیو کر چکی تھی۔ آواز کی نمی نے سارے موسم کی نمی کو مات دے دی تھی۔

''خلیل! اس نے مجھے خائن کہا۔ پیرا سائیٹ کہا کہ میں دوستوں کی امانتوں میں خیانت کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا میں ایسی ہوں؟''

خلیل کو دھکا لگا تھا۔ کل سے عدن جبار کی مسلسل کالز جنہیں وہ کسی وجہ سے سن نہیں سکا تھا، وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں کتنی پوزیسیو تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں گوہر؟''

پوری دنیا میں ایک وہی ایسا شخص تھا جو اسے گوہر کہہ کر بلایا کرتا تھا اور وہ اس بات پر صدیوں خوش رہ سکتی تھی مگر لمحوں کی خطا نے ہمیشہ صدیوں کے درد دیے ہیں۔ ہائے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ بس میرا دم گھونٹ رہا ہے یوں لگتا ہے کسی نے دل کی جگہ پر پاؤں رکھ دیا ہے۔ خلیل، ایک وعدہ کرو کہ تم کبھی اسے سچ نہیں بتاؤ گے۔ میں نہیں چاہتی وہ اپنی بقیہ زندگی کسی گلٹ کے ساتھ گزارے۔ اور رہی بات میری تو ہم جیسے لوگوں کا کوئی مستقبل نہیں۔ یہ تخلیق کا دکھ ہے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو گا۔''

وہ سنبھل گئی تھی کچھ ہی دیر بعد وہ یونیورسٹی کے مین گیٹ کی طرف آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جا رہی تھی سڑک سیدھی تھی اور کناروں کے ساتھ لگے ہار سنگھار کے درخت بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا گوہر، تم پریشان مت ہونا پلیز۔''

وہ ہنسی تھی، خلیل تھرا گیا تھا۔ وہ ہنسی کے پس پردہ حقائق سے آشنا تھا۔

''تم ایسے مت ہنسو۔''

''رونے سے منع کرتے ہو..... ہنسنے بھی نہیں دیتے ہو۔''

بیگ کندھے سے جھول رہا تھا سڑکیں بارش میں دھل سی گئی تھیں۔ عجیب وقت کے پھیر میں اسے سیرت امتیاز یاد آئی تھی۔

''پنجاب یونیورسٹی میں تو ہر ہفتے بارشیں ضروری ہیں کہ یہاں کے درختوں کو دھلائی کی ضرورت رہتی ہے۔''

خلیل نے اسے غائب دماغی کی کیفیت میں پایا تھا۔

''تم کہاں ہو؟ میں لینے آ جاؤں؟ گاڑی ہے کیا تمہارے پاس؟''

www.zemtime.com

وہ تھکی تھی گاڑی تو تھی اس کے پاس اور ڈپارٹمنٹ کے پارکنگ ایریا میں کھڑی کی تھی۔ سامنے طویل سفر تھا جو کہ وہ طے کر کے آئی تھی، تھکن نے پیروں کے انگوٹھوں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ وہ خاموشی سے مڑ کر دوبارہ واپسی کے سفر کو چل دی تھی۔ گاڑی ڈپارٹمنٹ میں تھی تو پھر وہ کیوں پیدل پھر رہی تھی؟ ٹھنڈی سانس لے کر فردوس گوہر نے ایک سرگوشی خلیل کی سماعتوں کے گوش گزار کی تھی۔

''سنو، میں نے زندگی میں دو لوگوں سے شدید محبت کی ہے خلیل سے، یعنی کہ تم سے اور عدن جبار سے یعنی کہ اس سے جس سے تم محبت کرتے ہو مگر.....''

''مگر کیا؟'' ادھر سانس ادھڑنے لگی تھی۔

''اس سب کے باوجود میں ایک پیراسائیٹ ہوں جو ایک کیڑا ہوتا ہے جو دوسروں کی محبت پر زندہ رہتا ہے اور بس۔''

فردوس گوہر نے موبائل پنجاب یونیورسٹی کے زرعی رقبے کی طرف اچھال دیا تھا جہاں دھان کے کھیتوں میں سٹہ لگ چکا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی کے در و دیوار نے شعبہ ابلاغیات کی اس اپسرا کو بالکل مطمئن چہرے کے ساتھ سڑکوں پر سکون سے راستوں پر سفر کرتے دیکھا تھا۔ جیسے سب ختم ہو جانے کے بعد کا اطمینان حاصل کر لیا گیا ہو.....!

مگر اس راز سے واقف نتاشا ابراہیم تھی کہ سب دکھاوا ہے۔ دکھاوے کے بعد کی جو حقیقت ہے وہ برہنہ ہے۔ وہ اپسرا نہیں تھی۔ وہ کچھ اور ہی تھی۔ کہانی ابھی جا کر کہیں شروع ہونی تھی۔ جو کہ گوہر خاندان کے علاوہ نتاشا ابراہیم کو معلوم تھی۔

نتاشا ابراہیم جو کہ.....!

اک گھات میں بیٹھی ہوئی شام اجل
اور ازل کی چھاپ سے ہر فرد ہوا ''نیلا''

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

www.zemtime.com